© rasailojaraid.com

ابکی الذی عرض علی اصحابك من اخذ هم الفداء لقد عرض علی عذابهم ادنیٰ من هذه الشجرة شجرة قریبة من نبی صلی الله علیه وسلم فانزل الله عزوجل :۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ (۶۷-۶۸)

ترجمہ: جب قیدی گرفتار کر لیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے پوچھا - ان قیدیوں کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا :-

اے اللہ کے نبی! یہ ہمارے خویش واقارب اور بھائی بند ہیں - میری رائے یہ ہے کہ :-

۱ - قرابتداری کا لحاظ رکھتے ہوئے انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے ۔

۲ - اس رقم کو ہم جہاد اور دوسرے دینی امور میں لگا کر قوت حاصل کر سکتے ہیں ۔

۳ - یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق عطا کرے ۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے ان کے بارے میں رائے پوچھی ۔ انھوں نے کہا - اے اللہ کے رسولؐ میری رائے قطعاً ابوبکرؓ کے مطابق نہیں ۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کو تہ تیغ کیا جائے (یہی نہیں بلکہ ہر ایک اپنے قریبی رشتہ دار کو قتل کرے) علی عقیل کی گردن اڑائیں اور میں اپنے فلاں رشتہ دار کی اڑاؤں گا - کیونکہ یہ لوگ کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں ۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور میری رائے کو پسند نہ کیا ۔

پھر جب میں دوسرے دن آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کھڑے رو رہے تھے - میں نے کہا ! یارسول اللہ ! مجھے بتلائیے آپؐ اور آپ کا ساتھی کیوں روتے ہیں - ایسی ہی بات ہے تو مجھے بھی رونا چاہیے - ورنہ میں آپ دونوں کو روتا دیکھ کر رونا شروع کر دوں گا ۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمیں اس بات نے رلایا ہے جو فدیہ لینے کی وجہ سے تیرے ساتھیوں پر پیش کی گئی۔ مجھ پر مسلمانوں کے لیے عذاب اس درخت سے بھی قریب پیش کیا گیا ہے۔ یہ درخت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔

نبی کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی آئیں اور وہ انھیں تہ تیغ نہ کر دے۔ تم دنیا کے مال کے طالب ہو اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے۔ اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔

اتنی بات پر تو تمام روایاتِ حدیث متفق ہیں کہ اس بارہ میں مختلف آرا پیش کی گئیں مگر یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس مجلس کے کل ارکان کتنے تھے۔ صرف پانچ صحابہؓ کی موجودگی کا علم ہو سکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور حضرت سعد بن معاذؓ۔

تاہم اصل اختلاف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی آرا میں تھا۔ حضرت سعد بن معاذ حضرت عمرؓ کے ہم رائے تھے۔ اور عبداللہ بن رواحہ کی رائے حضرت عمرؓ سے بھی سخت تر تھی۔ آپ نے کہا: "یا رسول اللہ! میری رائے تو یہ ہے کہ ان سب کو کسی ایسی وادی میں داخل کیا جائے جہاں سوختہ زیادہ ہو اور پھر اس میں آگ لگا دی جائے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

لَوِ اجْتَمَعْتُمَا مَا عَصَيْتُكُمَا اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں اس کے خلاف نہ کرتا (در منثور ج ۳ ص ۲۰۲)

بہر حال آپ پر مختلف آرا اوس کر گھر تشریف لے گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کریں گے اور کوئی کہتا تھا کہ حضرت عمرؓ کی رائے قبول کی جائے گی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تحقیق کے مطابق کثرت آرا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھی کیونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی فطری نرمی اور شفقت کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ کے ہم خیال تھے۔ اور حاضرین مجلس میں بھی اکثر کی رائے یہی تھی۔ گران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے بعض کی نظر صرف مالی منفعت تک محدود تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم کے الفاظ "تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا" سے واضح ہے (حاشیہ آیت مذکورہ ۶۷/۸)

اور مفتی محمد شفیع کی تحقیق کے مطابق کثرت آراء حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی کیونکہ جن پانچ اکابر صحابہ کا اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے صرف حضرت ابو بکرؓ فدیہ لینے کے حق میں تھے۔ باقی سب حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے (اسلام میں مشورہ کی اہمیت ص ۱۶) تاہم اس بات پر سب متفق ہیں کہ فیصلہ کثرت و قلت کی بنیاد پر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر منحصر تھا۔ کچھ دیر بعد آپ گھر سے واپس آئے اور ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں فریقین کی دلجوئی کے الفاظ تھے اور فیصلہ بالآخر حضرت ابو بکرؓ کی رائے کے مطابق دے دیا تو اس کے بعد جو وحی نازل ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا مسلمانوں کی زبردست اجتہادی غلطی تھی۔

اس واقعہ مشاورت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :۔

۱۔ مشورہ کرتے وقت کثرت رائے کے بجائے مشیر کی اہلیت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "اگر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہم رائے ہو جاتے (اور باقی خواہ سب صحابی دوسری طرف ہوتے) تو انھیں کی رائے کے مطابق فیصلہ کرتا" اس بات پر واضح دلیل ہے۔

۲۔ مختلف آراء سننے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے تو صحابہؓ نے کسی ایک رائے کی موافقت میں آراء کو شمار کرنے کی بجائے یہی خیال کیا کہ "دیکھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں یا حضرت عمرؓ کی رائے کو" سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ فیصلہ کثرت آراء کی بجائے امیر کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق ہوا۔ تو یہ محض وقتی مصلحت کا تقاضا تھا کیونکہ بالآخر شرعی حکم وہی قرار پایا جو حضرت ابو بکرؓ کی رائے تھی۔ سورۂ محمد جو آل عمران سے بعد نازل ہوئی اس میں یہ حکم یوں ہے :۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (۴/۴۷)

جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو (تو جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیے یا مال لے کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ مشاورت متعلقہ اذان

نماز باجماعت کے لیے اذان کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ یہ قصہ بخاری، مسلم (باب الاذان) میں مجملاً یوں مذکور ہے:۔

عن ابن عمر قال: کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون للصلوٰة ولیس ینادی بها احد۔ فتکلموا یومًا فی ذلك: فقال بعضهم: اتخذوا مثل ناقوس النصاریٰ۔ وقال بعضهم: قرنا مثل قرن الیهود: فقال عمر: اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قم یا بلال فناد بالصلوٰة۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو جمع ہو کر وقت کا اندازہ کرتے اور ایک وقت معین کر دیتے تھے اور ان کا کوئی منادی نہ تھا۔ پس ایک روز اس مسئلہ پر مشورہ کیا۔ بعض نے کہا نصاریٰ کا سا ناقوس لے لو۔ بعض نے کہا یہود کا سا قرنا لے لو۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کوئی آدمی کیوں نہ مقرر کر دو جو نماز کا بلاوا دے آیا کرے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال کھڑے ہو جاؤ اور نماز کی منادی کر دو۔

بعض دوسری احادیث کتب مثلاً ابوداؤد، دارمی، دارقطنی اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلی مجلس میں اذان کی صحیح شکل اور کلمات متعین نہیں ہوئے تھے یعنی صرف حی علی الصلوٰۃ کے الفاظ سے منادی کر دی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کہتے ہیں کہ:۔

مجھے خواب میں ایک شخص ملا جو ناقوس بیچ رہا تھا۔ میں نے کہا: ناقوس بیچ رہے ہو؟ اس نے کہا، ہاں لیکن تمھیں اس سے کیا غرض ہے؟ میں نے کہا۔ اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے۔“ اس نے کہا میں تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتلا دوں؟ میں نے کہا۔ ”ہاں“ تو اس نے کہا: اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر تک اذان کے کلمات کہے۔

صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: ”انشاء اللہ یہ خواب حق ہے۔ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر اسے یہ کلمات بتلاؤ اور وہ اذان کہے کیونکہ وہ تجھ سے بلند آواز ہے۔“ پس میں بلال کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھڑا ہوا اور انھیں اذان کے کلمات بتلانے لگا اور وہ اذان کہتے رہے۔

جب حضرت عمرؓ نے گھر میں اذان کی آواز سنی تو چادر گھسیٹتے (جلدی میں) گھر سے آئے اور آکر عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے بھی بالکل ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔" تو اس پر آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔"

اس مجلس مشاورت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض تشریعی امور میں بھی صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ جب کہ بذریعہ وحی کوئی واضح دلیل موجود نہ ہوتی تھی۔

۲۔ مختلف آراء سننے کے بعد کسی رائے کا اقرب الی الحق یا رضائے الٰہی ہونا پسندیدگی کا معیار تھا۔ مشیروں کی تعداد نہیں گنی جاتی تھی۔

۳۔ کسی رائے کی پسندیدگی امیر کی صوابدید پر منحصر ہے۔

۱۳۔ مشاورت متعلقہ غزوۂ اُحد

جب ابوسفیان اور مشرکین مکہ تین ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ کے پاس پہنچ گئے تو آپؐ نے اس امر میں صحابہؓ میں مشورہ فرمایا کہ جنگ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ طور پر کی جائے یا شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر جنگ لڑی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے دو تین خواب دیکھے تھے۔

۱۔ گزشتہ رات آپؐ نے خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی گئی ہے۔

۲۔ آپؐ نے یہ بھی خواب دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے۔

۳۔ آپؐ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ آپؐ نے ایک زرہ میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔

ان میں سے مذکورہ پہلے دو خواب بخاری کتاب التعبیر میں مذکور ہیں اور پھر یہ تینوں خواب البدایہ والنہایہ ج ۴ ص۱۲ پر بھی مذکور ہیں۔ مختصراً یہ کہ ان خوابوں کی تعبیر میں مسلمانوں کی شہادت اور آپؐ کے زخمی ہونے کے اشارات پائے جاتے تھے۔ لہٰذا آپؐ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے اہل الرائے اور بزرگ بھی آپ کے ہم رائے تھے۔ مسلمانوں کا کل لشکر ایک ہزار پر مشتمل تھا۔ جن میں تین سو افراد عبداللہ بن ابی منافق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھی تھے۔ عبداللہ بن ابی کی بھی رائے یہی تھی کہ جنگ مدینہ میں رہ کر لڑی جائے لیکن کچھ جوشیلے نوجوانوں کا طبقہ جو بدر میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ اس حق میں تھا کہ جنگ کھلے میدان میں لڑی جائے۔ اب اس پس منظر میں حافظ ابن کثیر صاحب البدایۃ والنہایۃ کی زبان سے اس مشورہ کا حال سنیے:

وقال الذين لم يشهدوا بدرًا "كنا نتمنى هذا اليوم وندعو الله فقد ساقه الله الينا وقرب المسير" وقال رجل من الانصار: متى تقاتلهم يا رسول الله اذا لم تقاتلهم عند شعبنا؟ وقال رجال "ماذا نمنع اذا لم نمنع الحرب بروع؟ وقال رجال صدقوا وامضوا عليه منهم حمزة بن عبد المطلب قال: والذي انزل عليك الكتاب لنجالدنهم۔ وقال نعيم بن مالك بن ثعلبة وهو احد بني سالم: يا نبي الله لا تحرمنا الجنة۔ فو الذي نفسي بيده لادخلنها؟ فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: بم؟ قال: بأني احب الله ورسوله ولا افر يوم الزحف۔" فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: صدقت واستشهد يومئذ۔ وأبى كثيرًا من الناس الا الخروج الى العدو ولم يتناهوا الى قول رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأيه ولو رضوا بالذي امرهم كان ذلك ولكن غلب القضاء والقدر وعامة من اشار عليه بالخروج رجال لم يشهدوا بدرًا قد علموا الذي سبق لاصحاب بدر من الفضيلة۔

فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة وعظ الناس وذكرهم وامرهم بالجهد والجهاد ثم انصرف من خطبته وصلوته فدعا بلأمته فلبسها ثم اذن في الناس بالخروج۔

فلما راى ذلك رجال من ذوي الرأي قالوا: امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نمكث بالمدينة وهو اعلم بالله وما يريد ويأتيه الوحي من السماء فقالوا: يا رسول الله! امكث كما امرتنا"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقال: "ما ینبغی لنبی اذا اخذ لأمة الحرب واذن بالخروج الی الله وان یرجع حتی یقاتل وقد دعوتکم الی هذا الحدیث فابیتھم الی الخروج فعلیکم بتقوی الله والصبر عند الباس اذا لقیتم العدو وانظروا الی ما امرکم الله به فافعلوا"

(البدایة والنھایة ج ۴ ص ۱۲-۱۳)

اور وہ لوگ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے کہنے لگے: ہم آج کے دن کی تمنا کرتے اور اللہ سے دعا مانگتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف لے آیا اور فاصلہ قریب کر دیا۔ انصار میں ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اس وقت ایک مضبوط جماعت ہیں۔ اگر آپ ان سے لڑائی نہ کی تو اور کب کریں گے۔

اور کچھ لوگوں نے کہا: کیا ہم لڑائی کے خوف سے رکے رہیں۔

اور کچھ لوگوں نے کہا جن میں حمزہ بن عبد المطلب بھی تھے اور انھوں نے اپنی بات سچ کر دکھائی اور اسی راستہ پر چلے۔ کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن اتارا ہم ضرور لڑائی کریں گے اور نعیم بن مالک بن ثعلبہ نے جو بنی سالم کے یکتا نوجوان تھے، کہا اے اللہ کے نبی! ہمیں جنت سے محروم نہ کیجیے۔ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور جنت میں داخل ہوں گا" اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "کیسے" اس نے کہا۔ کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ میں لڑائی کے دوران فرار کی راہ اختیار نہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: تو نے سچ کہا اور وہ اس دن شہید ہو گیا۔

علاوہ ازیں بہت سے لوگوں نے دشمن کی طرف نکل کر لڑنے کی رائے دی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اور رائے کی پروا نہ کی۔ اگر وہ اس رائے سے راضی ہو جاتے تو ایسا ہی ہوتا۔ لیکن اللہ کی تقدیر غالب ہوئی اور وہ لوگ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے اور انھیں اس کی فضیلت معلوم ہوئی تو باہر نکل کر لڑنے کی طرف ہی اشارہ کرتے تھے۔

پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو لوگوں کو وعظ فرمایا۔ انھیں نصیحت کی اور کوشش اور جہاد کا حکم دیا پھر خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر گھر چلے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر لڑائی کے ہتھیار منگوائے انھیں زیبِ تن کیا اور باہر نکلنے کا اعلان کر دیا۔

جب لوگوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو کچھ اہل الرائے ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ اسے خوب جانتے تھے اور ان پر آسمان سے وحی آتی ہے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مدینہ میں ہی ٹھہریے جیسے آپؐ نے ہمیں حکم دیا ہے۔" تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"نبی کو یہ لائق نہیں کہ اسلحہ جنگ زیبِ تن کرے اور دشمن کی طرف نکلنے کا اعلان کرے تو اس سے لڑے بغیر واپس ہو۔ میں نے تمھیں یہی بات کہی تھی تو تم نے اسے تسلیم نہ کیا اور باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا۔ اب تم پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو جنگ میں ثابت قدم رہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ جیسے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔ اسی طرح کرو۔"

اس مشاورت سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جوشیلے نوجوانوں کی رائے پر فیصلہ فرمایا جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور جہاد کی انتہائی آرزو رکھتے تھے تو محض ان کی دلجوئی کی خاطر فیصلہ کیا گیا تھا۔

۲۔ کل لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ جس میں ۳۰۰ عبد اللہ بن ابی کے ساتھی بھی حضورؐ کے ہم رائے تھے۔ اور وہ بزرگ صحابہ جو جنگ بدر میں پچھلے ہی سال شریک ہوئے وہ بھی آپ کے ہم رائے تھے۔ ان کی تعداد ۳۰۰ کے لگ بھگ تھی۔ لہٰذا من حیث المجموع ان نوجوانوں کی اکثریت ثابت نہیں ہوتی اور متن میں جو کثیرًا من الناس کے الفاظ آئے ہیں تو اس سے مراد سو یا دو سو بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنے لوگوں پر بھی یہی لفظ استعمال ہو گا۔

۳۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ فی الواقعہ کثرت میں تھے۔ تو انہی لوگوں نے جنگ سے پہلے ہی اپنے ارادہ کو بدل کر معذرت پیش کی لیکن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کثرت کی بات تسلیم نہیں کی۔

نتیجہ واضح ہے کہ فیصلہ امیر کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ وہ اکثریت کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ مانعین زکوٰۃ سے متعلق حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مدینہ میں نفاق پھیل گیا۔ عرب قبائل مرتد ہونے لگے۔ کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر جیش اسامہ کی روانگی کا مسئلہ بھی سامنے تھا۔ جس کو خود حضور اکرمؐ نے اپنی زندگی میں ترتیب دیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ نے پہلے جیش اسامہ کی روانگی کے متعلق مشورہ کیا تو ان نازک حالات میں شوریٰ فوری طور پر لشکر کی روانگی کے خلاف تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنا دوٹوک فیصلہ ان الفاظ میں فرمایا:۔

والذی نفس ابی بکر بیدہ، لو ظننت ان السباع تخطفنی لانفذت بعث اسامۃ کما امر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولو لم یبق فی القریٰ غیری لانفذتہ۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۲۵)

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ ابوبکرؓ کی جان ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہو کہ درندے آکر مجھے اٹھا لے جائیں گے تو بھی میں اسامہ کا لشکر ضرور بھیجوں گا۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ اور اگر ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی شخص بھی باقی نہ رہے تو بھی میں یہ لشکر ضرور روانہ کروں گا۔

چنانچہ یہ لشکر بھیجا گیا جو چالیس دن کے دن ظفر یاب ہو کر واپس آگیا۔ اب مانعین زکوٰۃ کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور فرمایا:۔

"آپ کو معلوم ہے کہ عرب نے زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی اور وہ دین سے مرتد ہو گئے اور عجم نے تمہارے لیے نہاوند تیار کر رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان جس شخص کی وجہ سے ہمیشہ فتحیاب ہوتے تھے وہ تو گزر چکا۔ اب موقع ہے کہ مسلمانوں کو مٹا دیا جائے۔ آپ مجھے مشورہ دیں کہ اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ میں بھی تمہیں میں سے ایک شخص ہوں اور مجھ پر تمہاری نسبت اس مصیبت کا بوجھ زیادہ ہے"

اس تقریر سے مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ طویل خاموشی کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"اے خلیفہ رسولؐ! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت عرب سے نماز ادا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے ہی کو غنیمت سمجھیں اور زکوٰۃ چھوڑنے پر مواخذہ نہ کریں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ تمام اسلامی فرائض و احکام کو تسلیم کرکے سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو قوت دے دے گا تو ہم ان کے مقابلہ پر قادر ہو جائیں گے لیکن اس وقت تو مہاجرین اور انصار میں تمام عرب و عجم کے مقابلہ کی سکت نہیں ہے۔"

حضرت عمرؓ کی رائے سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے بھی حرف بحرف حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی اسی کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام انصار و مہاجرین اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

واللہ لا ابرح اقوم بامر اللہ واجاهد فی سبیل اللہ حتی ینجز اللہ تعالیٰ ویفی لنا عهده فیقتل من قتل منا شهیدا فی الجنة ویبقی من بقی خلیفة اللہ فی ارضه ووارث عباده الحق فان اللہ قال ولیس لقوله خلف "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" واللہ لو منعونی عقالا کانوا یعطون رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم اقبل معهم الشجر والمدر والجن والانس لجاهدتهم حتی تلحق روحی باللہ ان اللہ لم یفرق بین الصلوٰة والزکوٰة ثم جمعهما[1] (کنز جلد ۳ ص ۱۴۲)

ترجمہ: خدا کی قسم! میں برابر امر الٰہی پر قائم رہوں گا اور خدا کی راہ میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرما دے اور ہم میں سے جو قتل ہو وہ شہید ہو کر جنت میں جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ اور اس کے بندوں کا وارث ہو کر رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا کہ "اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کرنے والے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان

---

[1] ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو کہا۔ تمھیں کیا ہو گیا۔ تم کفر کی حالت میں تو بہت جری اور دلیر تھے۔ اب اسلام میں آکر کمزوری دکھاتے ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ جو زکوٰۃ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے برابر جہاد کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میری روح خدا تعالیٰ سے جا ملے۔ خواہ ان لوگوں کی مدد کے لیے ہر درخت اور پتھر اور جن وانس میرے مقابلہ کے لیے جمع ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں فرمایا۔ بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

یہ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت عمرؓ اللہ اکبر پکار اٹھے اور فرمایا "جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا شرح صدر فرمایا میرا بھی اسی طرح پر شرح صدر ہو گیا۔

اسی واقعہ کو امام بخاریؒ نے نہایت اختصار اور تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے:۔

ان ابا ھریرۃ قال: لما تُوُفِّیَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر وکفر من کفر من العرب قال عمر: یا ابا بکر! کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فمن قال لا الٰہ الا اللہ عَصَمَ مِنِّی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ"۔

قال ابوبکر: واللہِ لَاُقَاتِلَنَّ من فَرَّقَ بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال، واللہ لو منعونی عناقًا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا"۔

قال عمر: فواللہ ما ھو الا ان رأیت ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق (بخاری. کتاب استتابۃ المرتدین)

یعنی "حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے اور عرب کے کچھ لوگ کافر ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھ کو لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں پھر جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی جان مجھ سے بچا لیے الا یہ کہ اس کے لیے کا بدلہ اس کے مال یا جان کا نقصان ہو اور جو اس کے دل میں ہے تو اس کا حساب اللہ پر ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم! میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے (جیسے نماز جسم کا) خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس کی عدم ادائیگی پر ان سے ضرور لڑوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابوبکرؓ کے دل میں جو لڑائی کا ارادہ ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے حق ہے۔"

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا عزم صمیم کر کے نکل کھڑے ہوئے مقام ذی القصہ تک پہنچ گئے تو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور فرمایا: "اے خلیفہ رسولؐ! آج میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو آپ نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہی تھی۔ یعنی:۔

شم سیفک ولا تفجعنا بنفسک فواللہ لئن اصبنا بک لا یکون للاسلام بعدک نظام ابداً (کنز ج ۳۔ ص ۱۴۳)

اپنی تلوار کو میان میں کیجیے اور ہمیں اپنی ہستی سے محروم نہ کیجیے۔ خدا کی قسم اگر آپ کے قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی درست نہ ہو گا۔

حضرت علیؓ کے اصرار پر حضرت ابوبکرؓ خود تو واپس مدینہ تشریف لائے۔ اپنی جگہ حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالار بنا کر بھیج دیا اور جہاد کا کام جاری رکھا تا آنکہ مرتد قبائل کو راہِ راست پر نہیں لے آئے۔

مندرجہ بالا واقعات کثرت رائے کے معیارِ حق ہونے کے ابطال پر دو ٹوک اور قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ جہاں خلیفہ وقت تمام شوریٰ کی متفقہ رائے کو ناقابل تسلیم قرار دے کر اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرتا اور اسے نافذ بھی کر دیتا ہے اور شوریٰ نے بھی اعتراف کیا اور واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ واقعتہً اکیلے خلیفہ کی رائے اقرب الی الحق تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵. مشاورت متعلقہ حضرت عمرؓ کا خود سپہ سالار بن کر عراق جانا

(ماخوذ از طبری جلد ۳ صفحہ ۴۸۰ تا ۴۸۲)

حضرت عمرؓ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ملک کے ہر حصے سے لوگوں کے گروہ آنا شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام میدان مدینہ آدمیوں سے پُر نظر آنے لگا۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت طلحہؓ کو ہراول کا سردار مقرر فرمایا۔ زبیر بن العوام کو میمنہ پر اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو میسرہ پر مقرر فرما کر خود سپہ سالار بن کر اور فوج لے کر روانگی کا عزم فرمایا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور فوج لے کر مدینے سے روانہ ہوئے اور چشمہ صرار پر آ کر قیام کیا۔ تمام فوج میں لڑائی کے لیے بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ خلیفہ وقت خود اس فوج کا سپہ سالار تھا۔

حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا خود عراق کی طرف جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

فاروق اعظمؓ نے تمام سرداران فوج اور عام لشکری لوگوں کو ایک جلسہ عظیم میں مخاطب کر کے مشورہ طلب کیا تو کثرت رائے خلیفہ وقت کے ارادے کے موافق ظاہر ہوئی۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ میں اس رائے کو ناپسند کرتا ہوں۔ خلیفہ وقت کا خود مدینہ منورہ سے تشریف لے جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی سردار کو جنگ میں ہزیمت حاصل ہو تو خلیفہ وقت بآسانی اس کا تدارک کر سکتے ہیں لیکن خدانخواستہ خود خلیفہ وقت کو میدان جنگ میں کوئی چشم زخم پہنچے تو پھر مسلمانوں کے کام کا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا۔

یہ سن کر حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ سے بلا لیا گیا اور تمام اکابر صحابہ سے مشورہ کیا گیا۔ حضرت علیؓ اور تمام جلیل القدر صحابہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رائے کو پسند کیا۔

فاروق اعظمؓ نے دوبارہ اجتماع عام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "میں خود تمہارے ساتھ عراق جانے کو تیار تھا لیکن صحابہ کرام کے تمام صاحب الرائے حضرات میرے جانے کو ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا میں مجبور ہوں۔ اب کوئی دوسرا شخص سپہ سالار بن کر تمہارے ساتھ جائے گا۔ اب صحابہ کرام کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ کس کو سپہ سالار بنا کر عراق بھیجا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علیؓ نے انکار فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد شام میں مصروف پیکار تھے۔ بالآخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سعد بن ابی وقاص کا نام پیش کیا۔ سب نے اس کی تائید کی اور حضرت عمرؓ نے بھی پسند فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ان دنوں صدقات کی وصولی پر مامور تھے۔ چنانچہ انھیں بلاکر سپہ سالار مقرر کیا گیا اور خود حضرت عمرؓ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔"

اس واقعہ مشاورت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف متعدد صاحب الرائے اشخاص کی رائے عوام کی بھاری اکثریت کی رائے سے زیادہ وزنی ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام فوج اور فوج کے سرداروں اور خود اپنی خواہش کے مطابق ایک معاملہ طے کیا۔ لیکن صرف چند اہل الرائے کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اکثریت کی رائے کو رد کر دیا۔

۶۔ مشاورت عمرؓ — طاعون سے متعلق

عن عبد الله بن عباس ان عمر بن الخطاب خرج الى الشام حتى اذا كان بسرغ لقيه اهل الاجناد ابو عبيدة بن الجراح واصحابه واخبروه ان الوباء قد وقع بالشام۔ قال ابن عباس فقال عمر "ادع لي المهاجرين الاولين" فدعوتهم فاستشارهم واخبرهم ان الوباء وقع بالشام۔ فاختلفوا۔ فقال بعضهم: قد خرجت لامر ولا نرى ان ترجع عنه۔ وقال بعضهم معك بقية الناس واصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نرى ان تقدمهم على هذا الوباء۔ قال ارتفعوا عني۔

ثم قال: "ادع لي الانصار" فدعوتهم له فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين واختلفوا كاختلافهم فقال ارتفعوا عني۔

ثم قال: ادع لي من كان ههنا من مشيخة قريش من المهاجرة قبل الفتح۔ فدعوتهم فلم يختلف عليه رجلان۔ فقالوا: نرى ان ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذا الوباء۔

فنادى عمر بالناس انى مصبح على ظهر فاصبحوا عليه۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقال ابوعبیدة بن الجراح : افرارًا من قدر الله ؟

فقال عمر : "لو غيرك قالها يا اباعبيدة" وكان عمر يكره خلافه

نعم نُفِرُّ من قدر الله الى قدر الله - ارايت ان كانت اِبِلٌ فهبطت

واديًا له عِدوتان احدهما خيصبة والاخرى جدبةٌ اليس ان رعيت

الخيصبة بقدر الله ؟ وان رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله ؟"

قال جاء عبد الرحمن بن عوف مُتَغَيِّبًا فی بعض حاجته فقال :

ان عندی علمًا سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : اذا

سمعتم به بارض فلا تقدموا عليه ، واذا وقع بارض وانتم بها

فلا تخرجوا منه فرارًا -"

قال : فحمد الله عمر بن الخطاب ثم انصرف .

(مسلم - كتاب السلام - باب الطاعون)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شام کی طرف نکلے اور جب مقام سرغ پر پہنچے تو اسلامی حکام فوجی سردار وابو عبیدہ بن جراح (جو اس وقت شام کے گورنر تھے) یہاں آکر ملے اور خبر دی کہ آج کل شام میں وبا (طاعون) پھیلی ہوئی ہے - ابن عباس کہتے ہیں مجھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "مہاجرین اولین کو بلاؤ" میں نے انھیں بلایا تو انھیں شام میں وبا پھیلنے کی اطلاع دی - اور اس کے متعلق ان سے مشورہ طلب کیا - ان کا آپس میں اختلاف ہوا - بعض کہتے تھے کہ "آپ دینی کام کے لیے نکلے ہیں - ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ اسے چھوڑ کر واپس جائیں - اور بعض کہتے تھے "آپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور بہت سے دوسرے لوگ ہیں - ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ انھیں وبا میں جھونک دیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "میرے پاس سے اب چلے جاؤ"

پھر حضرت عمرؓ نے مجھے کہا "اب انصار کو بلاؤ" میں انھیں بلا لایا - پھر ان سے مشورہ کیا - انھوں نے بھی مہاجرین کی طرح اختلاف کیا - آپ نے انھیں بھی یہی کہا کہ "چلے جاؤ"

پھر مجھے کہا - اب ان قریشی مہاجرین بزرگوں کو جمع کرو - جنھوں نے فتح مکہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے ہجرت کی تھی" میں انھیں بلا لایا۔ ان میں سے دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہ کیا اور کہنے لگے: ہم یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ لوگوں کو اس وبا میں نہ جھونکیں۔

اب حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا کہ "میں علی الصبح واپس مدینہ چلا جاؤں گا۔ اور لوگ بھی واپس لوٹ آئے۔"

یہ اعلان سن کر ابو عبیدہ بن الجراح حضرت عمرؓ سے کہنے لگے: کیا آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں؟"

حضرت عمرؓ کہنے لگے: "کاش یہ بات ابو عبیدہ کے سوا کوئی اور کہتا" (کیونکہ حضرت عمرؓ ان کے خلاف بات کو پسند نہ کرتے تھے) کہنے لگے "ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔ (پھر فرمایا) بھلا دیکھو تو! اگر آپ اپنے اونٹ کسی وادی میں چرانے کو لے جائیں جس کا ایک حصہ خراب اور قحط زدہ ہو اور دوسرا سبزہ زار تو کیا یہ صحیح نہیں کہ اگر خراب حصہ میں سے چرائیں گے وہ بھی اللہ کی تقدیر کے مطابق ہوگا اور اگر سبزہ زار سے چرائیں گے تو وہ بھی اللہ کی تقدیر کے مطابق۔"

ابن عباس کہتے ہیں کہ اتنے میں عبد الرحمٰن بن عوف آگئے جو اپنے کسی کام کی وجہ سے غیر حاضر تھے۔ کہنے لگے "مجھے اس کا شرعی حکم معلوم ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: "جب سنو کہ کسی شہر میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ۔ اور اگر ایسی جگہ طاعون پھیل جائے جہاں تم پہلے سے موجود ہو وہاں سے مت بھاگ نکلو۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس ہوگئے۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

- جن لوگوں سے مشورہ لیا جائے۔ ان کے فرق مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔ جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی رضا جوئی میں پیش پیش ہوں۔ مشورہ کے سب سے زیادہ حقدار وہی لوگ۔ پھر علیٰ قدر مراتب دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔
- مشورہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سب اصحاب مشورہ ایک ہی مجلس میں اکٹھے ہوں۔ مشورہ علیحدہ علیحدہ بھی لیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ مشورہ کے بعد رائے شماری یا اکثریت فیصلہ کا کوئی معیار نہیں ہے۔

۴۔ مشورہ کے بعد فیصلہ امیر کی صوابدید پر ہے۔ جب تک حضرت عمرؓ کو دلی اطمینان یا انشراح صدر نہیں ہوا آپ مجلس شوریٰ بدلتے رہے۔ اگر پہلی ہی پر اطمینان حاصل ہو جاتا تو دوسری یا تیسری مجلس کی ضرورت ہی نہ تھی۔

۵۔ دلی اطمینان کی وجہ یہ نہ تھی کہ تیسری مجلس نے بالاتفاق ایک ہی رائے دی اور اس میں اختلاف نہ ہوا بلکہ یہ تھی کہ ان کا اپنا اجتہاد (یا دلیل) بھی وہی کچھ تھا۔ جو تیسری مجلس نے رائے دی تھی۔ اور اسی دلیل سے آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو بھی مطمئن کیا۔

۷۔ عراق کی مفتوحہ زمینوں کے متعلق

حضرت عمرؓ کی مجلس مشاورت

(یہ واقعہ چونکہ مالیات سے تعلق رکھتا ہے لہذا درج ذیل اقتباسات کتاب الخراج للامام ابو یوسف عنوان متعلقہ میں درج احادیث و روایات سے ماخوذ ہیں)

جب عراق اور شام کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور ان زمینوں پر قبضہ ہو گیا تو امرائے فوج نے اصرار کیا کہ مفتوحہ مقامات ان کے صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیریں عنایت کیے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے بعد سعد بن وقاصؓ کو وہاں کی مردم شماری کے لیے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اکابر صحابہؓ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ اموال غنیمت کے علاوہ زمینوں اور زمینداروں کی تقسیم پر بھی مصر تھے اور حضرت بلالؓ نے تو اس قدر جرح کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا:

اللھم اکفنی بلالاً۔

اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے۔

حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج میں تقسیم کر دیے جائیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی مدافعت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے لیے مصارف کہاں سے آئیں گے اور یہ مصلحت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اگر زمین افواج میں تقسیم کردی گئی تو وہ جہاد کی طرف سے غافل اور جاگیرداری میں مشغول ہو جائیں گے۔ لہذا اموالِ غنیمت تو فوج میں تقسیم کر دینے چاہئیں اور زمین بیت المال کی ملکیت قرار دی جانی چاہیے کیونکہ اتنی کثیر مقدار میں اموال اور زمین اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگنے کی توقع کم ہی نظر آرہی تھی۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف کہتے تھے کہ جن تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو زمین پر قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں اس میں مفت میں کیسے شریک ہو سکتی ہیں؟ لیکن حضرت عمرؓ اس بات پر مصر تھے کہ جب وسائل موجود ہیں تو مملکت اسلامیہ کو ایک فلاحی مملکت بنانا ضروری ہے اور اس میں جملہ مسلمانوں کا خیال رکھنا چاہیے جیسا کہ بخاری کی درج ذیل حدیث سے بھی واضح ہے:

قال عمر: لولا آخر المسلمین ما فتحت قریۃ الا قسمتہا بین اھلھا کما قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر۔ (بخاری کتاب الجہاد والسیر۔ باب الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے کہا: "اگر مجھے پچھلے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں جو بستی فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں بانٹ دیتا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو بانٹ دیا تھا۔"

جہاں تک اسلامی مملکت کے استحکام اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کا تعلق تھا۔ حضرت عمرؓ کو اپنی رائے کی اصابت کا مکمل یقین تھا لیکن وہ کوئی ایسی نص قطعی پیش نہ کر سکے تھے۔ جس کی بنیاد پر وہ مجاہدین، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یا حضرت بلال کو قائل کر سکیں۔ چونکہ دونوں طرف دلائل موجود تھے۔ لہذا حضرت عمرؓ نے فیصلہ کے لیے مجلس مشاورت طلب کی۔ یہ مجلس دس افراد پر مشتمل تھی۔ پانچ قدماء مہاجرین میں اور پانچ انصار (قبیلہ اوس اور خزرج) میں سے اس مجلس میں شریک ہوئے۔ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ بحث چلتی رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کو طے کرنے کے لیے نص قاطع تھی۔ اس آیت کے آخری فقرے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (سورہ حشر) سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے۔ لیکن اگر اسے فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اب حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پرزور تقریر فرمائی، جس میں آپ نے زکوٰۃ، غنیمت اور فے کی تقسیم کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی۔

عن مالك بن اوسٍ قال قرأ عمر بن الخطاب اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ حتى بلغ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

ثم قرأ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ حتى بلغ وابن السبيل ثم قال هذه لهؤلاء۔

ثم قرأ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى حتى بلغ للفقراء .... وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ " ثم قال هذه استوعبت المسلمين عامة فلئن عشت فليأتين الراعي وهو بسرو حمير نصيبه منها لم يعرق فيها جبينه۔ رواه فى شرح السنة (الجمالہ مشکوٰۃ۔ باب الفئ)

مالک بن اوسؓ سے روایت ہے، کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ ... یہاں تک کہ علیمٌ حکیمٌ تک پہنچے۔

پھر یہ آیت پڑھی۔ واعلموا انی غنمتم من شیء۔

پھر کہا یہ ان لوگوں کا حصہ ہے۔

پھر یہ آیت پڑھی، جو چیز اللہ نے بستیوں میں اپنے رسول کے ہاتھ لگا دی یہاں تک کہ پہنچے واسطے فقیروں کے ...... اور ان لوگوں کے جو ان کے پیچھے آنے والے ہیں۔ پھر کہا اس آیت نے تمام مسلمانوں کو شامل کر دیا ہے۔ پس اگر میں زندہ رہا۔ تو سرو اور حمیر کے اس چرواہے کو بھی اس میں سے حصہ پہنچے گا جس کی پیشانی پر پسینہ نہیں آیا (یعنی جس نے جہاد کے سلسلہ میں کچھ بھی محنت نہ کی ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ بلاشبہ آپ کی رائے صحیح ہے۔
اس واقعہ سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :۔

۱۔ امیر فیصلہ کرتے وقت کثرت رائے کا پابند نہیں۔ اس کا اپنا دلی اطمینان یا انشراح صدر فیصلہ کی اصل بنیاد ہے۔ مجلس مشاورت کے انعقاد سے پہلے فوج کے سب اراکین حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت بلالؓ جیسے صحابہ اس حق میں تھے۔ کہ زمینیں اور کاشتکار غازیوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ اس رائے کے بہت سے نقصانات دیکھ رہے تھے۔ لہذا کثرت رائے کو قبول نہیں فرمایا۔

۲۔ امیر محض اپنی مرضی اور رائے بھی عوام پر ٹھونس نہیں سکتا۔ ورنہ آپ یہ نہ فرماتے۔ اے اللہ! مجھے بلال سے نجات دے۔" لہذا آپ نے دس اکابر صحابہ (پانچ مہاجر، پانچ انصار) کی مجلس مشاورت بلائی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے صحابی آپ کے ہم خیال تھے۔ لیکن دوسری طرف صحابہ کی کثیر تعداد تھی۔ علاوہ ازیں عہد نبوی کی نظیر (جنگ خیبر میں یہودیوں کی زمین کی غازیوں میں تقسیم) بھی ان کے حق میں جاتی تھی۔ لہذا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

۔ حضرت عمرؓ دین کی سربلندی کے لیے جو انتہائی ذہنی کاوش کرتے رہتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں اللہ کی توفیق سے آپ کو ایک آیت یاد آگئی۔ جو آپ کی رائے کے عین مطابق تھی۔ اس دلیل کی بنا پر آپ نے بڑی شدومد سے اپنا فیصلہ صادر فرما دیا جس کے آگے سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلہ کی اصل بنیاد کثرت رائے نہیں بلکہ دلیل کی قوت ہے اور شرط میر مجلس کا انشراح صدر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمنی مباحث

کیا کثرتِ رائے معیارِ حق ہے؟

ہم پہلے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ دلیل کے مقابلہ میں کثرتِ رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اب جمہوریت پرستوں کی مجبوری یہ ہے کہ جمہوری نظام کثرتِ رائے بطور معیارِ حق کے اصول کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ پھر اس اصول کو برقرار رکھنے کے لیے اس نظام کو یہ سہارا بھی لینا پڑا — ہر بالغ — مرد ہو یا عورت — کے ووٹ (رائے عقل و دانش) کی قیمت یکساں قرار دی جائے۔ اس اصول کو سیاسی مساوات کا نام دیا گیا۔

ہر ووٹ کی یکساں قیمت

اس طرزِ انتخاب میں ہر چھوٹے اور بڑے، اچھے اور برے، عالم اور جاہل، نیک اور بدکردار کے ووٹ یا رائے کی قیمت یکساں قرار پاتی ہے۔ یہ نظریہ بھی قرآنی آیات کے صریح خلاف ہے۔ مثلاً:

ا۔ نیک اور بدکردار کے ووٹ کی قیمت یکساں نہیں ہے: ارشادِ باری ہے:

أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ (۳۲/۱۸)

بھلا جو مومن ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

ب۔ اسی طرح وہ شخص جو کسی نمائندہ یا امیر وغیرہ کے انتخاب پر اس کی اہلیتوں اور ذمہ داریوں سے واقف ہے۔ اس کی رائے کی قدر و قیمت اتنی ہی قرار پانا جتنی ایک ان معاملات سے بالکل بے شعور آدمی کی ہے۔ یہ سخت ناانصافی کی بات ہوتی ہے۔

ارشادِ باری ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۳۹/۹)

ترجمہ: کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ (۱۳/۱۶)

کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟

ج ۔ اسی طرح اچھے اور برے میں تمیز نہ کرنا بھی ناانصافی کی بات ہے ۔ ارشاد باری ہے :۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ (۵/۱۰۰)

کہہ دیجیے ۔ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے ۔ خواہ ناپاک (چیزوں یا لوگوں) کی کثرت آپ کو بھلی معلوم ہو ۔

کثرت رائے پر فیصلہ

یہ تو ایک ضمنی بحث چل نکلی ۔ بات کثرت رائے سے متعلق ہو رہی تھی ۔ ہاں تو جمہوریت میں فیصلہ کا طریق کار یہ ہوتا ہے ۔ کہ معاملہ خواہ کوئی ہو، انتخاب ہو یا قومی اسمبلی میں قانون سازی کا کام یا اور کوئی مشورہ، آراء کی گنتی کر کے اکثریت کی بنیاد پر حق و باطل یا ٹھیک اور غلط کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی نظر سے یہ اصول غلط ہے اور قرآن کریم میں تقریباً ۹۱ آیات ایسی ہیں، جن میں لوگوں کی اکثریت کو ظالم، فاسق، جاہل، مشرک وغیرہ قرار دیا گیا ہے (جنھیں طوالت کی وجہ سے ہم یہاں درج نہیں کر رہے) نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اکثریت کے تتبع سے سختی سے منع کیا گیا ہے تو ان آیات کے متعلق سیاسی قائدین اور جمہوریت نواز یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ "ایسی سب آیات کافروں سے متعلق ہیں" حالانکہ ان کا مخاطب معاشرہ ہے نہ کہ محض کفار۔ پھر یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ کیا مسلمانوں میں فاسق، ظالم، جاہل یا مشرک نہیں ہو سکتے ۔ اس رفع التباس کے لیے ہم ذیل میں دو ایسی آیات درج کرتے ہیں جن کے مخاطب صرف مسلمان ہیں ۔ مثلاً ارشاد باری ہے :۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (۱۲/۱۰۶)

اور اکثر لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شرک بھی کرتے ہیں ۔

اسی طرح دوسری آیت صحابہؓ کرام سے متعلق ہے ۔ معرکہ حنین کے موقع پر صحابہ کرام اپنی کثرت کی وجہ سے اترانے لگے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (۹/۲۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جنگ حنین کے دن جب تم کو (اپنی جماعت کی) کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔

کثرتیت کی گمراہی کو جائز بنانے کے لیے یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ یہ سب ادامر ونواہی تو قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ مشورہ صرف مباح امور میں ہوتا ہے۔ اور صرف مباح امور میں مشورہ سے گمراہی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مشورہ مباح امور میں ہو یا انتظامی امور میں، دیکھنا تو یہ ہے کہ مشیروں کی ذہنیت کیا ہے اور ان کی اہلیت کیسی ہے؟ اب دیکھیے کہ موجودہ جمہوریت اور اسلام میں صرف "مشورہ" ایک قدر مشترک ہے، لیکن مشورہ کے طریق کار، غرض وغایت، فیصلہ کا طریق، امیر کا اختیار رکھنی ایسے ضمنی مباحث ہیں جن میں اختلاف ہے اور دونوں راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں (یہی مباحث کتاب کا اصل موضوع ہیں) لیکن اس کے باوجود جمہوریت نواز اس طرز انتخاب کو اسلام کے عین مطابق قرار دے رہے ہیں۔ اور اسلام ہی کے احکامات اور تاریخی واقعات کی من مانی تعبیر کر کے اور حقائق کو مسخ کر کے اپنے دعوی کا ثبوت بھی پیش کر رہے ہیں۔ تو پھر اس کے بعد ایسا کونسا مباح مشورہ طلب امر باقی رہ جائے گا۔ جسے حل تو عوامی خواہشات اور کثرت رائے سے کر لیا جائے اور اس کا ثبوت اسلام سے پیش نہ کیا جا سکے۔ لہذا جب تک مشیر متقی اور علوم اسلامیہ سے واقف نہ ہوں گے۔ مباح امور میں مشورہ بھی ضلالت کی طرف ہی لے جائے گا۔

مشورہ کا فیصلہ اور میر مجلس کا اختیار

ہم بالوضاحت ثابت کر چکے ہیں کہ اسلامی شوریٰ میں آخری فیصلہ کا اختیار میر مجلس کو ہوتا ہے اور اس فیصلہ میں وہ کثرت آراء کا پابند نہیں بلکہ دلیل کی قوت پر انحصار کرتا ہے۔ اگر فریقین کے پاس کوئی دلیل نہ ہو یا مساوی وزن کے دلائل ہوں۔ یا دلائل کی قوت میں صحیح اندازہ نہ لگایا جا سکے۔ تو قطع نزاع کے لیے آخری اور مجبوری شکل کثرت رائے کی بنیاد پر میر مجلس فیصلہ کر دیتا ہے۔ لیکن جمہوری نظام میں کثرت رائے ہی معیار حق اور اسی کے مطابق سب فیصلے سرانجام پاتے ہیں۔ میر مجلس مجبور محض ہوتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اس کے ووٹ کی قیمت دو ووٹوں کے برابر سمجھی جاتی ہے اور یہ اس نظام کی مجبوری ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب میر مجلس کو بے اختیار اور کثرتِ رائے کو معیارِ حق ثابت کرنے کے لیے جو عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔

کثرتِ رائے کے حق میں دلائل

کہا یہ جاتا ہے کہ "مشورہ طلب کرنے کے بعد اگر امیر مختار ہو چاہے تو اسے قبول کرلے اور چاہے تو رد کرے یہ روحِ مشورہ کے خلاف ہے۔ مشاورت میں فیصلہ کا قدرتی اصول کثرتِ رائے کا اصول ہی ہے۔ اس لیے امیر کو کوئی حق نہیں کہ وہ شوریٰ کی اکثریت کے فیصلہ کو ٹھکرا دے۔ مشورہ طلب کرنا اور اسے قبول نہ کرنا ایک لغو اور فضول بات ہے[1]۔ ایسی صورت میں مشورہ طلب یا مشورہ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ صورتِ حال امیر کو منزہ عن الخطا قرار دینے اور مقامِ خداوندی پر فائز کردینے کے مترادف ہے"۔

یہاں فیصلہ طلب امر صرف یہ ہے کہ آیا "مشاورت میں کثرتِ رائے کا اصول" فی الواقعہ قدرتی ہے بھی یا نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے۔ اس کا عقلی جواب تو یہ ہے کہ ایک طرف دس آدمی عام عقل کے ہوں اور دوسری طرف صرف ایک ہی تجربہ کار وپختہ کار تو آپ اپنے ذاتی مشورہ کے لیے یقیناً اس ایک سمجھ دار اور تجربہ کار آدمی کی طرف رجوع کریں گے۔ اور آپ ذرا غور فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کائنات کا پورا نظام ہی اسی اصول پر قائم ہے کہ کسی پختہ کار اور سمجھ دار آدمی کی طرف رجوع اور اس کا اتباع کیا جائے۔ رہا پارلیمنٹ کا یہ حال ہے کہ اگر ۱۰۰ میں سے ۵۱ آدمی شراب کے حق میں ووٹ دے دیں تو وہ جائز قرار پاتی ہے۔

اور نقلی جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلسِ مشاورت متعلقہ اساریٰ بدر کے بھرے مجمع میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔

لو اجتمعتما ما عصیتکما (درمنثور)

اگر یہ دونوں ہم رائے ہو جاتے تو میں ان کا خلاف نہ کرتا۔

گویا آپ کے نزدیک ان دو بزرگوں کی رائے باقی سارے مجمع پر بھاری تھی اور جیشِ اسامہ کی روانگی اور مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے ساری شوریٰ پر بھاری تھی۔

---

[1] یہ خالص جمہوری ذہن کی عکاسی ہے۔ اہلِ شوریٰ کے ذہن اس سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثرتِ رائے کے متعلق فقہاء کے ارشادات

۱۔ خلفائے راشدین ہر فرد سے مشورہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان لوگوں سے مشورہ کرتے تھے جن سے خطاب کرتے ہوئے ایک بار عمرؓ نے فرمایا تھا:۔

"تمہیں عوام نے اس منصب پر فائز نہیں کیا۔ بلکہ اس منصب کے لیے تمہیں اس لیے اہل تصور کیا گیا ہے کہ تمہارا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمہیں عزیز رکھتے تھے۔" (طبری۔ بحوالہ واقعہ کربلا۔ ابوبکر غزنوی)

۲۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

"حاکم کو مشورے کا حکم صرف اس لیے دیا جاتا ہے کہ مشیر اس کو ان امور سے آگاہ کرے جس کی طرف اس کا دھیان نہیں گیا اور اس کی دلیل سے اس کو مطلع کرے یہ حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ حاکم مشیر کے مشورہ یا بات کی پیروی کرے کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کسی کی بھی پیروی کرنا فرض نہیں" (فتح الباری باب قولہ تعالیٰ وامرھم شوریٰ بینھم)

۳۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:۔

"اگر شوریٰ میں سے کسی فرد نے کتاب و سنت اور اجماع کے مسئلہ کی کوئی واضح دلیل پیش کر دی تو اس وقت خواہ کتنی بڑی جمعیت ایک طرف ہو جائے اور اس سے کتنے بڑے بھونچال کا خطرہ ہو تو بھی اسے خاطر میں نہ لایا جائے۔ اگر دلائل کے لحاظ سے بھی اختلاف پیدا ہو جائے تو میر مجلس کو اس کی رائے پر فیصلہ کرنا چاہیے جو کتاب و سنت کے زیادہ قریب اور مشابہ ہو۔" (السیاستہ والشرعیہ)

اسلامی مشاورت کا امیر مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ دلیل اور آثار کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ خود بھی ذہنی کاوش کر کے معاملہ مطلوبہ میں وہ پہلو اختیار کرتا ہے جو اقرب الی الحق ہو۔ محض اس بنا پر کہ اسے ترجیحی پہلو اختیار کرنے کا حق شریعت نے دیا ہے۔ اسے "منزہ عن الخطا اور مقام خداوندی پر فائز" کے القاب سے نوازنا کہاں تک درست ہے؟

ہمارا دستور اور امیر کا اختیار

حیرت کی بات یہ ہے کہ موجودہ دستور جو خالص جمہوری قدروں پر ترتیب دیا گیا ہے، نے بھی سربراہ مملکت کو مشورہ قبول کرنے کا پابند قرار نہیں دیا ہے۔ یہاں ہم تحریک آزادی و دستور پاکستان (ڈاکٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاروق اختر نجیب اکے چوتھے ایڈیشن سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں :-

۱- وزراء کا دوسرا کام حکومت کی پالیسی کی تشکیل میں صدر کو مشورے دینا ہے۔ اس سلسلہ میں صدر جب چاہے ان سے مشورہ طلب کر سکتا ہے مگر وہ ان کے مشورے کو قبول کرنے کا پابند نہیں۔" (ص ۴۴)

۲- صدر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور اس کے مشورے سے دوسرے ججوں کا تقرر کرتا ہے۔ اسی طرح وہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور متعلقہ صوبہ کے گورنر کے مشورہ سے ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس —— اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، متعلقہ صوبہ کے گورنر اور متعلقہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورہ سے ہائی کورٹ کے ججوں کا تقرر کرتا ہے۔ گویا مذکورہ افراد سے وہ صرف مشورہ کرنے کا پابند ہے۔ اس مشورہ کو قبول کرنے کا پابند نہیں۔" (ص ۴۳)

تو ایک ایسا ملک جہاں انتخابات سے لے کر قانون سازی تک تمام فیصلے اکثریت کی بنیاد پر طے پاتے ہیں۔ اس کے دستور میں بھی سربراہ مملکت کو مشورہ کرنے کا پابند تو بنایا گیا ہے مگر اسے قبول کرنے کا پابند نہیں بنایا گیا تو پھر ہمارے یہ جمہوریت نواز دوست پہلے اپنے گھر کی خبر کیوں نہیں لیتے؟ ان مشیروں سے صدر مملکت مشورہ ہی کیوں طلب کرتا ہے جبکہ وہ ان مشوروں کو قبول کرنے کا پابند ہی نہیں۔

اکثریت کے معیارِ حق ہونے کے دلائل

اکثریت کے معیارِ حق ہونے کی دلیل میں مندرجہ ذیل دو آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱- یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۴/۵۹)

اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔

اس آیت سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امیر کا فیصلہ قطعی اور حتمی نہیں ہو سکتا وہ مختار محض نہیں۔ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اندریں صورت قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں امیر سے اختلاف کی گنجائش تک تو بات درست ہے مگر یہ تو نہیں کہا گیا کہ اندریں صورت امیر کو چاہیے کہ وہ کثرتِ رائے کا احترام کرے۔ پھر بھی قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے، اللہ کی رضا معلوم کرنے اور اس سے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ جھگڑا امیر اور کسی ایک فرد کا بھی ہو سکتا ہے اور امیر اور شوریٰ یا بہت سے افراد کا بھی۔ اور خلافتِ راشدہ کے دور میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ امیر اور عامۃ الناس کے درمیان جھگڑا ہوا۔ پھر اس کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق ہوا۔ مثلاً:۔

۱۔ امیر اور فرد کا جھگڑا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع کرنا چاہتے تھے، حضرت ابی بن کعبؓ کا مکان اس توسیع میں حائل تھا۔ آپ نے حضرت ابی بن کعب کو کہا کہ اس مکان کی قیمت لے کر فروخت کر دیں لیکن توسیع کے سلسلہ میں رکاوٹ نہ ہو۔ لیکن حضرت ابی بن کعبؓ نہیں مانتے تھے۔ معاملہ نے طول کھینچا تو بالآخر فریقین نے حضرت زید بن ثابتؓ کو ثالث تسلیم کر لیا (ثالث بھی عدالت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ایسے تنازعات میں عدالت کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے اور ثالث کی طرف بھی) حضرت زید بن ثابتؓ نے فریقین کے دلائل سن کر فیصلہ حضرت عمرؓ کے خلاف دے دیا۔ جب فیصلہ ہو چکا تو حضرت ابی بن کعب نے یہ مکان قیمتاً دینے کی بجائے فی سبیل اللہ ہی دے دیا۔[1]

۲۔ امیر اور شوریٰ کا جھگڑا۔ عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں ہوا۔ دونوں طرف دلائل قوی تھے اور معاملہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ حضرت عمرؓ اس معاملہ میں کئی دن تک سخت پریشان رہے۔ اور قرآن و سنت میں ذہنی کاوش کرتے رہے۔ بالآخر توفیقِ الٰہی ان کو ایک ایسی آیت یاد آگئی جو ان حالات پر فٹ بیٹھتی تھی اور حضرت عمرؓ کے دلائل کے حق نص قطعی کا حکم رکھتی تھی۔ آپ نے بھرے مجمع میں یہ آیت سنائی اور اپنا فیصلہ صادر کر دیا، جس کے آگے سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

یہ تھا "ردوہ الی اللہ والرسول" کا مطلب۔ افراد کی آزادیٔ حق گوئی اور امیر کی عدم مطلق العنانی۔

پھر ہم تو یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہیں کہ یہ آیت جمہوریت نوازوں کے حق میں ہے یا ان کے مخالف؟ یہاں تنازعات کے لیے دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا نہ کہ کثرتِ رائے

[1] بیہقی، السنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۶۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ طبع اول ۱۳۵۵ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سپرد کیا جائے گا۔

دوسری دلیل مندرجہ ذیل آیت بھی اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے:۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۴/۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

کہا یہ جاتا ہے اس آیت سے جہاں اجماع کی حجیّت ثابت ہوتی ہے۔ وہاں یہی آیت اکثریت کے فیصلے کو واجب الاتباع ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ پھر اس ضمن میں حدیث علیکم بالسواد الاعظم بھی پیش کی جاتی ہے کہ یہ حدیث بھی اکثریت رائے کے واجب الاتباع ہونے پر نص قطعی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ فی الواقع اس آیت سے اجماع کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس سے اکثریتی فیصلہ کو واجب الاتباع قرار دینا بہت بڑا فریب اور قطعی غلط ہے جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اجماع کے معنی اتفاق رائے ہے۔ کثرت رائے نہیں۔

۲۔ اجماع صرف صحابہ کا حجت ہے۔ اس کے بعد کے ادوار میں امت کا اجماع کی حجیّت بذات خود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

۳۔ بعد کے ادوار کا اجماع ثابت کرنا اور ثابت ہونا فی نفسہٖ بہت مشکل امر ہے (یہ مفصل بحث موجودہ طرز انتخاب کے ''اجماع سکوتی'' میں ملاحظہ فرمائیے)

پھر اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو کیا اسمبلیوں میں اکثریتی فیصلے کے خلاف ووٹ دینے والے سب جہنمی ہوتے ہیں؟ حزب اختلاف حزب اقتدار کے فیصلے کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ ان کا اپنا سیاسی عقیدہ الگ ہوتا ہے اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

آیت کا مطلب صاف ہے۔ اکثریتی رائے سے اختلاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر جب اس اختلاف میں عصبیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ خواہ یہ اختلاف مذہبی ہو یا سیاسی۔ پھر اس عصبیت کے تحت جماعت کے راستے کے علاوہ دوسرے راستہ پر چل پڑے اور امت واحد کے انتشار و افتراق کا ذریعہ بنے تو اس کی سزا جہنم ہے گویا یہ سزا اصل میں تعصب کی ہوتی ہے۔ نہ کہ محض اختلاف کی۔

مندرجہ ذیل ارشاد نبوی اس بات پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے:۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: من خرج عن الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ جاھلیۃ ومن قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب لعصبۃ او یدعوا الی عصبۃ او ینصر عصبۃ فقتل فقتلۃ جاھلیۃ (مسلم- کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص امیر کی اطاعت سے نکلا اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوا پھر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جو شخص کسی اندھا دھند نشان کے تحت لڑائی کرتا ہے۔ عصبیت کے لیے غصہ دلاتا، عصبیت کے لیے پکارتا یا عصبیت کی مدد کرتا ہے سو مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حضرت سعد بن عبادہ یا بنو ہاشم — جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت نہیں کی تھی — کی لغزش قابل مواخذہ نہیں۔ کیونکہ حکومت وقت کے خلاف ان کی کوئی کاروائی ثابت نہیں۔ البتہ ایسی روایات ضرور ملتی ہیں جن سے ان کی اخوت اور اتحاد کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل روایت سے واضح ہے:۔

"جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت منعقد ہوگئی تو حضرت ابوسفیانؓ کو بھی یہ عصبیت ہی کی بنا پر ناگوار محسوس ہوئی۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا۔ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم اٹھنے کے لیے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں" مگر علیؓ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ تمھاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں خواہ ان کے دیار اور اجسام ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں۔ البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی انھیں اس منصب پر مامور نہ ہونے دیتے۔" (کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۷۴، طبری جلد ۳ ص ۲۴۹)

اگر کثرت آرا اور سواد اعظم ایک ہی بات ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں جو شوریٰ منعقد کی تھی۔ اس میں آپ نے اس پورے سواد اعظم کی مخالفت کیوں کی تھی؟ ان کے متعلق کیا خیال ہے؟

یہاں بھی یہ لوگ فریب کاری سے باز نہیں آتے۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ "مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنا شریعت کا حکم تھا اور لشکر اسامہ کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں ترتیب دے چکے تھے لہٰذا اس کا بھی خلاف نہیں کیا جا سکتا تھا

اب سوال یہ ہے کہ اگر مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنا شریعت کا واضح حکم تھا، تو شوریٰ بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اور حقیقت یہ ہے کہ اختلاف اس بات میں نہ تھا کہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی جانے یا نہ کی جائے؟ بلکہ اختلاف یہ تھا کہ ایسے ہنگامی حالات میں فوری طور پہ یہ اقدام کرنا چاہیے۔ یا ابھی کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دینا چاہیے؟ (جیسا کہ یہ واقعہ تفصیل سے ہم ذکر آئے ہیں لیکن اصل حقیقت کو یار لوگ اس لیے گول کر جاتے ہیں کہ اس سے کثرت رائے کی حجیت پر کاری ضرب پڑتی ہے۔

پھر کچھ ایسے واقعات بھی پیش کیے جاتے ہیں جہاں کثرت رائے کے مطابق فیصلہ ہوا۔ مثلاً:

جنگ احد کے موقع پر مقابلہ شہر سے باہر نکل کر کرنا یا حضرت عمرؓ کا جنگ نہاوند کے موقع پر کثرت رائے کا احترام کرتے ہوئے فوج کی کمان خود سنبھالنے کا ارادہ ترک کرنا وغیرہ۔

جنگ احد میں جس "اکثریت" (اگرچہ فی الواقعہ اکثریت تھی) نے باہر نکل کر لڑنے کی رائے دی لیکن آپ نے اس "اکثریت" کی رائے کو رد کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ امیر چاہے تو کثرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رائے قبول کرلے ۔ ورنہ وہ کثرت آرا کے سامنے کھلونا نہیں ہے ۔

اور جنگ نہاوند میں حضرت عمرؓ نے اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فوج کی کمان سنبھالنے کا ارادہ تو کیا تھا ۔ لیکن یہ ارادہ ترک تو صرف چند اہل شوریٰ کی رائے کے مطابق کیا ۔ یہاں کثرت رائے کا کوئی قصہ ہی نہیں ہے ۔

تیسری دلیل

ہمارے بعض دوست اکثر شکایت کرتے ہیں کہ عوام کی اکثریت کو خواہ مخواہ بدنام کیا جاتا ہے ۔ عوام کی اکثریت نے جب بھی کوئی فیصلہ کیا ، ٹھیک اور درست ہی کیا ۔ اور اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کیا ہے ۔ مثال کے طور پر پاکستان بننے سے متعلق ، یا تحریک ختم نبوت یا تحریک نظام مصطفےٰ کے متعلق عوام کی اکثریت صحیح فیصلہ کرتی رہی ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ عوام کالانعام کو ریاست و سیاست کا شعور نہیں ہوتا ۔ غلط نظریہ ہے ۔

عوام کے فیصلہ اور شعور کی درستی یا نا درستی کی بات کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں بہرحال یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہمارے عوام کو اسلام سے والہانہ عقیدت ہے ۔ جو مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں ۔ ان سب میں یہی جذبہ کارفرما تھا ۔ عوام کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ پاکستان بن گیا تو وہاں اسلامی نظام خلافت رائج ہوگا ۔ یہی صورت تحریک ختم نبوت اور تحریک نفاذ نظام مصطفےٰ کی تھی ۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ عوام بے چارے فی الواقعہ سادہ لوح ہوتے ہیں ۔ ہمارا عیار سیاستدان ہمیشہ ان کو فریب اور چکمہ دے کر اپنا مطلب حل کرتا رہا ہے ۔ مثلاً تحریک نظام مصطفےٰ کے دوران سیاستدانوں نے مل کر قومی اتحاد قائم کیا اور اسی اسلام کے نام پر عوام کو خطرناک قسم کا دھوکا دیا یعنی انہیں یقین دلایا کہ یہاں نظام مصطفےٰ قائم کیا جائے گا ۔ سادہ لوح عوام ان کے بھرے میں آگئے ۔ زبردست تحریک چلی ، عوام نے قربانیاں پیش کیں ، یہاں تک کہ تحریک کو اللہ تعالےٰ نے کامیابی سے ہمکنار کر دیا ۔

مگر ہمارے عیار سیاستدانوں کا اصل مقصد وزیراعظم بھٹو کو اقتدار سے الگ کرنا اور نئے انتخابات کا انعقاد تھا ۔ جب یہ مقصد حل ہو گیا تو ایک ممتاز سیاست دان کا بیان اخبارات میں شائع ہوا ۔ کہ اس اتحاد کا مقصد محض بھٹو کو راستہ سے ہٹانا تھا اور وہ حاصل ہو چکا ہے ۔ اسلامی نظام کی ترویج ہمارے پروگرام میں شامل نہیں ۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ اتحاد سے نکلے بعد میں باری باری دوسرے بھی رخصت ہونے لگے ۔ یہ تو اللہ کی مہربانی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس نے ایک ایسا بندہ بروقت بھیج کر پاکستان کی مدد فرمائی جو اسلام کا شیدائی تھا۔ ورنہ ان سیاست دانوں نے تو قوم سے بدترین قسم کی غداری کی۔

اور حقیقت یہی ہے کہ عوامی رائے کو سنوارنے یا بگاڑنے، جمع کرنے یا منتشر کرنے میں ہمیشہ سیاستدانوں کا ہاتھ ہی کام کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ عوام کی رائے سے فائدہ اٹھانے کا فن انھیں خوب آتا ہے۔

مشورہ کا مقام مختلف نظاموں میں

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مختلف نظام ہائے حکمرانی میں مشورہ کا مقام کیا ہے؟ ملوکیت کو عموماً استبدادی (خود رائے یا خودسر) حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چنگیز اور ہلاکو جیسے آمر بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ایسے مشوروں کا بھی ذکر موجود ہے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ (۲۹ / ۳۲-۳۳)

ملکہ سبا بلقیس کہنے لگی۔ اے درباریو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔ جب تک تم حاضر نہ ہو اور صلاح نہ دو میں کسی کام کو فیصلہ کرنے والی نہیں۔ وہ بولے (اگر جنگ کا خیال ہے تو) ہم بہت زور آور اور سخت جنگجو ہیں لیکن حکم آپ کے اختیار میں ہے۔ سو جو حکم دیں اس پر نظر کیجیے گا۔

حتیٰ کہ فرعون جیسا ڈکٹیٹر بھی اپنے درباریوں سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ بموجب ارشاد باری تعالیٰ

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ (۲۸/۲۰)

اور شہر کی پرلی طرف سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا: اے موسیٰ! (فرعون کے) دربار تمہارے قتل کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں۔ تم یہاں سے نکل جاؤ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

نظام خلافت میں بھی مشورہ کا حکم ہے اور جمہوریت بھی اصولِ حکومت مشورہ ہی کی علمبردار ہے۔ اب ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ ان میں فرق کیا ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف صرف دو باتوں میں ہے۔

۱۔ مشیر کون اور کیسے لوگ ہیں ۲۔ مشورہ کا فیصلہ کیونکر طے پاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملوکیت میں مشورہ نہایت محدود سطح پر ہوتا ہے۔ اگر اس مشورہ کا تعلق ولیعہدی سے ہو تو شاہی خاندان کے قریبی افراد سے مشورہ لیا جاتا ہے اور اگر انتظامی امور سے ہو تو اہل سرکار و دربار سے مشورہ کے بعد اس کا فیصلہ قطعی طور پر بادشاہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت سے ظاہر ہے۔

جمہوریت میں ریاست کو ہر بالغ شہری کو حتیٰ کہ عورتوں کو بھی مشورہ میں شمولیت کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ انتظامی سہولت کی خاطر پہلے نمائندوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ صدر مملکت کا بھی انتخاب کرتے اور مشورہ سے دستور قوانین بھی بناتے ہیں اس میں مشورہ کے دائرہ کو تا حد الامکان وسیع کر دیا گیا ہے۔ پھر ہر شخص کی رائے کو ہم وزن قرار دیا جاتا ہے خواہ وہ مشورہ طلب امر کو سمجھ بھی نہ سکتا ہو اور فیصلہ کی بنیاد کثرت رائے ہے۔ مشیر کی اہلیت اور تجربہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مشیر کا کسی خاندان، مذہب یا نسل سے متعلق ہونا ضروری نہیں۔

خلافت میں اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ صرف ان لوگوں سے مشورہ لیا جاتا ہے جو معاملہ کو سمجھنے اور مشورہ دینے کی اہلیت و تجربہ رکھتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر مشورہ دینا "حق" نہیں بلکہ ایک ذمہ داری اور بوجھ ہے جو مشیر کے سر پر پڑتا ہے کہ وہ سمجھ سوچ کر نہایت دیانتداری اور خیر خواہی سے مشورہ دے ورنہ وہ عنداللہ مسئول ہو گا۔ مشورہ طلب امر میں فیصلہ کے لیے دلیل کی تلاش ہوتی ہے۔ اگر فرد واحد بھی دلیل پیش کر دے تو ساری شوریٰ کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اگر دلیل نہ ہو یا دونوں طرف برابر وزن کے دلائل ہوں تو فیصلہ کثرت رائے سے ہو گا۔ دلائل کو پرکھنے اور آخری فیصلہ کا اختیار امیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ شوریٰ کے ممبر کا کسی خاندان یا نسل سے متعلق ہونا ضروری نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ مسلمان ہی ہو، متقی اور صاحب فہم و بصیرت ہونا اس کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

جمہوریت نوازوں کے مطابق خلافت اور جمہوریت میں "مشورہ" قدر مشترک تو ضرور ہے لیکن مندرجہ بالا دو باتیں موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں ایک واضح خط امتیاز کھینچ دیتی ہیں۔

کثرت رائے کے معیار حق ہونے کے نقصانات

اب تک تو ہم ان اعتراضات کا جائزہ لے رہے تھے جو جمہوریت پرست میر مجلس کے فیصلہ پر مختار ہونے پر کرتے ہیں۔ اب ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کثرت رائے کا اصول ــــ جس پر یہ لوگ اس قدر فریفتہ ہیں ــــ فی نفسہٖ کیا اور کیسا ہے؟

کثرت رائے کو معیار حق قرار دینا ایک ایسی اصولی غلطی ہے جو لاتعداد غلطیوں اور بے شمار جرائم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ الیکشن کے ایام میں جو طوفان بد تمیزی بپا ہوتا ہے وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ ہر نمائندہ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کر سکے۔ اب اس کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جو بھی جائز اور ناجائز حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جس طرح فریقِ ثانی کی ذات پر سوقیانہ حملے کیے جاتے ہیں۔ کنویسنگ اور جلسے جلوسوں پر جس بے دردی سے سرمایہ برباد ہوتا ہے۔ پھر انتخابی مہم انسان کے اخلاق پر کس قسم کے ناپاک اثرات چھوڑتی ہے۔ اس کی تفصیل ہم کسی دوسری جگہ درج کر چکے ہیں۔ کہیں ووٹوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے، کہیں تعلقات کے دباؤ، کہیں غنڈہ گردی اور دھمکیوں سے، کہیں پولیس کے تعاون اور ہنگاموں سے ووٹ حاصل کیے جاتے ہیں اور بالآخر کامیابی سے وہ صاحب ہمکنار ہوتے ہیں جنہوں نے پیسہ بے دریغ خرچ کیا ہو۔ یا پھر کوئی ایسا بڑا بدمعاش اس معرکہ میں کامیاب ہوتا ہے جس کو ووٹ نہ دینے کی صورت میں تعلقات بگڑنے کی صورت میں لوگ اس سے مرعوب اور دہشت زدہ ہوں اور جو صاحب ہمہ صفت موصوف ہوں یعنی سرمایہ دار بھی ہوں اور عیار بھی تو ان کی کامیابی پر شک نہ کرنا چاہیے۔

یہ کچھ تو الیکشن کے دوران ہوتا ہے۔ الیکشن ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے باقیاتِ الصالحات باہمی خانہ جنگیاں، عداوتیں، بغض و عناد وغیرہ ابھی دلوں میں باقی رہتے ہیں کہ دوسرے الیکشن کی آمد آمد ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

موجودہ اور مروجہ جمہوریت میں کامیاب ہونے والے ممبروں کے تفصیلی حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس جمہوری حکومت کا خود سرا ہیر پا تو روپیہ نکلے گا۔ یا جبر و استبداد اور مکر و فریب۔ کیونکہ جب کثرتِ رائے کا پردہ فاش ہوتا ہے تو اس کی تہ میں یہی چیزیں کارفرما نظر آتی ہیں۔

یہ کچھ تو اسمبلیوں سے باہر ہوتا ہے۔ اب اسمبلیوں میں پھر جماعتوں کو اسی کثرتِ رائے کی ضرورت پیش آتی ہے تو آپس میں جوڑ توڑ اور گٹھ جوڑ کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ اور کوئی مشورہ یا بحث شروع ہو تو بسا اوقات لڑائی جھگڑے یا ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اجلاس ہنگامی آرائی کی وجہ سے ملتوی کر دیے جاتے ہیں۔

پھر یہ نمائندے ووٹوں کی کثرت کی بنا پر اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں۔ عموماً خود غرض، ہوا پرست اور جاہل قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کے جان و مال کے مالک بن بیٹھتے ہیں جن کی نیت اور ہمت ابتدا ہی سے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ انہیں حکومت کی کرسی مل جائے۔ پھر مخلوقِ خدا آرام سے رہے یا تباہ ہو۔ ان کی بلا سے۔ اور جب کوئی معاملہ زیرِ بحث آتا ہے تو ان میں سے اکثر کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کس معاملے کے متعلق رائے طلب کی جا رہی ہے بس ان کا کام صرف اتنا ہوتا ہے جس طرف زیادہ ہاتھ اٹھتے نظر آئے ادھر ہی اپنے بھی کھڑے کر دیے۔ یا پھر اپنی پارٹی کے مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رائے دیتے ہیں یا پارٹی کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

ان تمام تر خرابیوں کی ذمہ داری صرف کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے پر ہے۔ اگر اختلافِ رائے

© rasailojaraid.com